بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

پچھلے دس برس سے نسوانی تعلیم کے حقیقی احساس کے ساتھ ملک کے مختلف گوشوں سے جسقدر کتابیں شائع ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور طبقۂ خواتین جسقدر شوق اور انہماک کے ساتھ اس طرف متوجہ ہے وہ واقعی میں قابل صد شکر اور لایق ہزار تحسین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہماری بہنوں کا یہی شوق قائم رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہماری اولاد اپنے اسلاف کے اخلاق کا مکمل نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش کر کے قومیت میں زندگی کی نئی روح پھونک دے گی۔

اصل یہ ہے کہ مادی ترقی میں اسوقت تک استقامت نہیں

ہو سکتی اور نہ اس ترقی سے تمدن کی صحیح معنوں میں تکمیل ہو سکتی ہے جب تک کہ افراد قوم اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور خلوص دل سے قومیت کا حقیقی احساس نہ رکھتے ہوں۔ اور چونکہ اس کی ابتداء ماں کے گود سے ہوتی ہے اور بحمد اللہ ہماری بہنوں میں اعلیٰ مذاق پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ بجائے قصہ کہانیوں کے پیرایہ میں اخلاقی درس دینے کے اپنی بہنوں کی اخلاقی کمزوریوں پر سنجیدگی سے بحث کی جائے اور ان کمزوریوں سے جو نتایج پیدا ہوتے ہیں اُن کو فلسفیانہ طرز میں اُجاگر کر کے دکھایا جائے تاکہ وہ اُس آئینہ میں اپنے معائب خود دیکھ لیں اور چپ کے ہی چپکے اپنے آپ اپنی اصلاح کرتی رہیں پس اسی مقصد کے پیش نظر اس سلسلہ کی ابتدا کی گئی ہے۔ یہ مختصر رسالہ اس مضمون کی پہلی قسط ہے جس میں لڑکی کے سسرال جانے کے بعد سے اُس سے جن جن کمزوریوں کا ظہور ہوتا ہے ان میں سے چند کی تشریح حتی الامکان شرح و بسط سے کی گئی ہے (کیونکہ سسرالی زندگی کا ابتدائی زمانہ ہی اُس کی عملی زندگی کا دیباچہ ہوتا ہے)۔

اس رسالہ میں چار سبق ہیں اور ہر سبق ان ہی بحثوں پر مشتمل ہے۔ اگر معزز بہنوں نے اس کی طرف التفات کیا تو اس مضمون کی دوسری قسط بھی بہت جلد پریس کو بھیجدی جائے گی فقط

محمد مرزا خاں

۱۲؍ربیع الاول ۱۳۴۴ھ
تعلقہ کوڑنگل
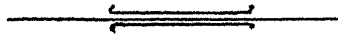
سبق اوّل

(۱)

تمہید

عموماً عورتیں بعض اخلاقی کمزوریوں کی سرمایہ دار ہوتی ہیں اور جس شدت سے بے پڑھی لکھی بہنیں اس مرض میں مبتلا ہیں اُس قدر زیادتی تعلیم یافتہ طبقہ میں نہیں معلوم ہوتی ان کمزوریوں کا ظہور دراصل سسرال پہنچکر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بڑی بڑی خرابیوں کا موجب بن جاتا ہے ؎

سسرال دراصل ایک امتحان گاہ ہے جب لڑکی اس امتحان گاہ میں قدم رکھتی ہے ہر طرف سے اس پر تیز نگاہیں پڑنی شروع ہوجاتی ہیں۔ اس کی بات بات کو بنظر غائر دیکھا جاتا ہے۔ عادات و اطوار۔ چال ڈھال۔ بات چیت۔ عقل اور سمجھ کو جانچا جاتا ہے۔ اور پھر ساس سسرے۔ نند بھاوجیں۔ دیور جیٹھ۔ غرض سُسرال کا ہر فرد اس کو اپنے خاص معیار خیال پر پرکتا ہے۔ حقیقت میں یہ وقت ایک ناتجربہ کار

لڑکی پر بہت سخت ہوتا ہے۔ ساس سسرے کے احکام کی تعمیل الگ کرنی پڑتی ہے۔ نند بھاوجوں کے مزاج الگ اٹھانے پڑتے ہیں اور میاں کی مرضی کا علحدہ اپنے آپ کو پابند بنانا پڑتا ہے اور پھر طعن اور تشنہ جدا سہنے پڑتے ہیں۔ نازک مزاجی اور خفگی علحدہ برداشت کرنی پڑتی ہے غرض کہ سسرال میں قدم رکھتے ہی یہ ساری باتیں اس پر گذرنی شروع ہوجاتی ہیں پس لڑکی عقلمند اور تعلیم یافتہ ہو تو وہ اس امتحان میں بڑی عمدگی سے کامیاب ہوتی ہے۔ اور اپنی عقلمندی اور قابلیت کی بدولت ایک دن سارے گھر کی مالک بنجاتی ہے لیکن جاہل اور بدسلیقہ لڑکی یہاں بری طرح ناکام رہتی ہے نہ تو وہ اپنی ساس کو خوش کرسکتی ہے اور نہ سُسرے کو نہ نند بھاوجیں اس سے خوش رہتی ہیں اور نہ میاں ہی کی محبت وہ حاصل کرسکتی ہے اپنی بیوقوفیوں کی وجہہ سے نہ صرف سسرال میں ذلیل ہوجاتی ہے بلکہ میکہ میں بھی اس کی وقعت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ اس کی غلطیوں اور بیوقوفیوں

کی وجہ سے میکہ والوں کی بھی بدنامی ہوتی ہے اور جب ایسی لڑکیوں پر سسرال میں جا و بیجا سختیاں ہوتی ہیں تو وہ بجائے اس کے کہ اپنی بیوقوفیوں پر خیال کریں ماں باپ عزیز و اقارب کو برا بھلا کہنے پر تیار ہو جاتی ہیں کہ انھوں نے ہمیں کنوئیں میں جھونک دیا وغیرہ ۔

پس اس مضمون میں ہم سلسلہ وار بعض اخلاقی کمزوریوں کی اصل اور حقیقت پر بحث کریں گے اور ان طریقوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے جن طریقوں سے ایک شریف گھرانے کی لڑکی معزز بہو۔ چہیتی بیوی۔ لایق سہیلی۔ اور بہترین ماں بن سکے ۔

(۲)

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ انسان تمام تر تقلید کا بندہ ہے اور یہ قوت تقلید ایک فطری خاصہ ہے۔ جو ہر انسان میں قدرتی طور پر کام کرتا رہتا ہے۔ علاوہ اس کے ایک قوت اور ہے جس کو قوت شاعرہ کہتے ہیں۔ جو راست عقل کے

ماتحت ہے۔ یہ وہ قوت ہے جس کے بغیر تقلید میں استواری
نہیں ہوتی۔ تم نے بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ ایک دو ڈھائی سالہ
بچے کو جب تم گود میں لیتی ہو اور محبت سے اس کے منہ پر
منہ ملتی ہو تو وہ کیسا خوش ہوتا اور قہقہے لگاتا ہے۔ لیکن جب
تم بگڑ کر اس کی طرف دیکھتی ہو اور سنجیدہ ہو جاتی ہو تو وہ کیسا
چپکا ہو کر رونی صورت بنا لیتا ہے۔ جانتی ہو۔ اس کے ننھے سے
دل پر کس قوت نے ایسا زبردست اثر کیا یہی قوت تقلید ہے
جس کو جودت طبع آیندہ استوار کرتی ہے گویہ قوت ہمیشہ سے
انسان میں ودیعت ہوتی ہے لیکن اس کا ظہور عموماً بچے میں
چار سال کی عمر سے ہونے لگتا ہے جو تربیت کیلئے حکماء کے
نزدیک بہترین عمر تحقیق ہوئی ہے۔ اس عمر کو پہنچکر وہ اپنے
گرد و پیش کی چیزوں کو شناخت کرتا ہے اور ماں باپ
عزیز و اقارب کے طرز و سلوک اور عادات و اطوار کا اثر بھی
اس پر اسی عمر میں پڑتا ہے گویا اس عمر سے بچے میں عملی
زندگی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ جس میں استواری کا پیدا کرنا

والدین کے ہاتھ ہے۔

ایسی بہت سی بیویوں کی مثالیں تم خود دیکھو گی جو اپنے پھوہڑپن۔ بدسلیقگی۔ چٹورپن اور خودسری میں ضرب المثل ہونگی۔ پس ان مثالوں سے تم یہ نتیجہ اخذ کرنے کی مجاز ہو کہ ان بیویوں کی تربیت بچپن میں اچھی نہیں ہوئی ہے اور ماں باپ کے بیجا لاڈ و پیار نے ان کو اس حالت میں رکھا ایسی لڑکیاں میکے میں تو بڑی خوش وخرم رہتی ہیں۔ مگر سُسرال پہنچکر بہت دکھ اٹھاتی ہیں۔ اور ہمیشہ کیلئے اپنے اور اپنے متعلقین پر ایک مصیبت ہوجاتی ہیں۔ اور پھر یہ اثر یہیں تک ختم نہیں ہوتا بلکہ اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ کیلئے تباہ کرجاتی ہے۔

(۳)

(۱) زود اعتمادی

لڑکیاں عموماً بہت بھولی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہر وہ بات جو انھیں دل سوز طریقہ سے کہی جائے اعتماد

کر بیٹھتی ہیں اور بعد میں بڑا خسارہ اٹھاتی ہیں۔ زود اعتمادی اخلاق کی کمزوری ہے جس کا مادّہ ناتجربہ کاری۔ کمی معلومات اور سب سے زیادہ اپنے علم پر یقین نہ کرنا ہے علم الیقین سے ضمیر استوار ہوتا ہے اور ضمیر کی استواری راسخ الاعتقادی کی بنیاد ہے زود اعتمادی جتنی ہندوستانی عورتوں میں پائی جاتی ہے اتنی کسی قوم میں نہیں۔ اول تو ہمارے ہاں تعلیم دینے ہی کو عیب سمجھتے ہیں دوسرے تعلیم بھی دیجاتی ہے تو ایسی نکمی جس کا عدم اور وجود ایک ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی گھر اس منحوس مرض سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ دو قریب ترین رشتہ دار بھی ایسے نہیں دکھائی دیتے جو کبھی زود اعتمادی کے بدولت ایک دوسرے سے رنجیدہ نہ ہوئے ہوں۔

زود اعتمادی اس جگہ خوب رنگ لاتی ہے جہاں کنبہ رشتہ جوڑا جاتا ہے اس وقت اس بات کا بھی خیال نہیں رہتا کہ کونسی بات کس نے کہی تھی اور یہ کہ وہ قیاساً بھی درست ہو سکتی ہے یا نہیں۔

تم نے بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ قطب صاحب یا زنانہ پارک میں شام کے وقت ہوا نہایت فرحت بخش ہوتی ہے۔ لیکن اُسی وقت اگر تمھاری ڈولی چماروں کی گلی سے ہوکر نکلے تو بدبو کے مارے تمھارا دماغ پراگندہ اور طبیعت خراب ہونے لگے گی۔ وجہہ بھی معلوم ہے۔ ہوا تو وہی ہے جو قطب صاحب کے میدانوں یا پردہ باغ کی روشوں میں کھائی تھی مگر ہاں۔ چماروں کی گلی قطب صاحب کے میدان یا پردہ باغ کی روشیں نہیں ہیں۔ بات کیا ہے وہاں ہوَا کھلے ہوئے میدانوں یا نازک پھولوں سے گذر کر تمھاری قوت شامہ کو متاثر کرتی ہے اور یہاں مُردار چمڑا اور دنیا بھر کی غلاظت میں سے ہوکر تمھارا دماغ پراگندہ کرتی ہے پس اب یہ کہنا کہ چماروں کی گلی کی ہوا زنانہ پارک کی ہوا کے برابر ہے کم عقلی نہیں تو کیا ہے یا یوں سمجھو بات کی قدر کہنے والے سے ہوتی ہے ؛

اب غور کرو زود اعتمادی کس بات سے پیدا ہوتی ہے

عموماً ناتجربہ کاری۔ بیوقوفی۔ اور سادے پن کی وجہہ سے بھی یہ اکثروں میں پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ واقعہ ہے اس سے قطع نظر نہیں کر سکتے۔ ناتجربہ کاری ایک خاص وقت پر علم سے جاتی رہیگی۔ یا عمر سے۔ بیوقوفی اگر کمی معلومات کی بنا پر ہے تو علم کی ضرورت ہے اور اگر خلقی ہے تو خدا ان پر رحم کرے ہمارا روئے سخن بھی ان کی طرف نہیں ہے سادہ پن بھی بمنزلہ بیوقوفی کے ہے مگر فرق اتنا ہے کہ ہم بھولے آدمی پر ہمدردی سے ہنستے ہیں اور بیوقوف پر تضحیکاً۔ اب اگر یہ سادہ پن کمی معلومات کی بناء پر ہے تو یہاں بھی علم کی ضرورت ہے اور قدرتی ہے تو تجربہ کی ؛

غرض اس سوچ بچار میں ہمارے خیالات جہاں آکر رکے ہیں وہ وہی ہے جس نتیجہ پر ہم اس بحث میں جانے سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ یعنی بچپن میں تعلیم وتربیت اچھی ہونی چاہئے ؛

چند مقالات جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے نیچے

درج ہیں۔

(۱) انسان کو چاہئے کہ کسی بات کو یقین کرنے سے پہلے کہنے والے کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکے متعلق غور کرلے۔

(۲) اس محل وقوع کو دریافت کرے جس کی بناء پر بات کی گئی ہو۔

(۳) نیچ قوم (جیسے چماری یا کنجری) یا چھوٹے خیال کے عورتوں کی (جیسے مامائیں یا محلہ کے اور جاہل عورتیں) کوئی بات سچ نہ تسلیم کرے کیونکہ ان میں بات کو سمجھنے کی قابلیت نہیں ہوتی اور نہ موقع و محل کو پہچان سکتی ہیں۔

(۴) جب کوئی عورت کسی دوسری عورت کے خیالات تمھارے نسبت ظاہر کرے تو تم کو چاہئے اس عورت سے (جو کہہ رہی ہے) اس عورت کا (جس کی بابت کہہ رہی ہے) زیادہ اعتبار کرو۔ یہاں تک کہ اس کا کہنا حق الیقین تک پہنچ جائے۔ یعنے فرض کرو نصیبن تم سے کہتی ہے کہ امراؤ خانم نے تم کو بُرا بھلا کہا تو تم کو چاہئے کہ بجائے

نصیبن پر اعتبار کرنے کے یہ خیال کرتی رہو کہ امراؤ خانم
نے کبھی ایسا نہ کہا ہوگا۔ حتیٰ کہ تم پر کسی طرح سے ثابت
ہوجائے کہ نصیبن سچ کہہ رہی ہے ۞

(۵) اگر کوئی بات معلوم ہو بھی تو پہلے نہایت
رواداری سے اس پر تنہائی میں غور کرو اور اپنے کسی
خیرخواہ سے بھی جو تم سے عمر اور عقل میں زیادہ ہو رائے
لیلو پھر البتہ اس کے متعلق رائے قائم کرو ۞

(۴)

(۲) غیر مستقل مزاجی

لڑکیوں میں زود اعتمادی کے بعد جو عیب ہے وہ
غیر مستقل مزاجی ہے۔ اس کا مادہ بھی زود اعتمادی کیطرح
ناتجربہ کاری اور ناقص تعلیم ہے۔ بلکہ دونوں عیوب
توام ہے۔ جو شخص زود اعتماد ہوگا وہ متلون مزاج بھی
ضرور ہوگا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ بحث میں ثابت کرائے ہیں

کہ زود اعتقادی نااتفاقی کی جڑ ہے جب تلون اس کی کیفیت
کا نام ہے تو نتیجہ دونوں کا ایک ہے ؎

فرض کرو تم اپنی ایک سہیلی کی نسبت بہت اچھا خیال
رکھتی ہو اور تم اس کی تعریف کر رہی ہو اتنے میں ایک
بی صاحبہ آئیں اور اُسی سہیلی کی نسبت یہ کہا کہ میں ابھی
وہاں سے آرہی ہوں۔ انھوں نے تم کو یوں بُرا بھلا کہا اب
اگر تم ان کے کہنے کا اعتماد کرلو تو یہ ہوئی زود اعتقادی اور
یقین کرنے کے بعد فوراً ہی جو کیفیت یا خیالات تمھارے اس
سہیلی کے خلاف ہونگے وہ تمھارے پہلے خیالات کی بناء پر تلون
کہے جائیں گے۔ لیکن یہ تلون کی ہلکی سی صورت ہے بعض دفعہ
اس تلون سے بڑے بڑے کاموں میں کھنڈت پڑجاتی ہے
اور بعد میں پچھتانا پڑتا ہے ؎

میرے ایک دوست ہیں ان کی ایک جگہ نسبت ٹھہری
نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی دونوں طرف سے خوب خوب
تیاریاں ہوئیں۔ خوشی خوشی دن کٹے۔ عین نکاح سے

ایک دن پہلے کیا سُنتے ہیں کہ بیٹی والوں نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ "سُنا ہے کہ لڑکے کو دق ہے"۔ اس لئے اپنی لڑکی دینے سے انکار ہے۔ اور سنا کس سے؟ تو جواب ملتا ہے یوں تو استانی جی کئی دنوں سے کہہ رہی تھیں مگر آج پیر جی صاحب نے بھی کہلوایا ہے۔ ماشاء اللہ پیر جی صاحب کو دیکھئے۔ اور دق کی تصدیق کو دیکھئے۔ اور اس زود اعتمادی اور تلوّن کو دیکھئے کہ سنتے ہی یقین بھی کر لیا۔ اور ہزاروں روپیہ پر پانی پھیر عزت آبرو کسی بات کی پرواہ نہ کرکے نسبت توڑ دی اب نتیجہ دیکھئے دولہا والوں نے جو دیکھا کہ عین وقت پر ہماری ذلت کی گئی ہے۔ چٹ پٹ کنبے میں ایک لڑکی سے بات ٹھہرا اور منت سماجت سے لڑکی کے ماں باپ کو راضی کر دوسرے دن بیاہ لائے۔ اب جوان لوگوں نے دولہے کے متعلق تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ دق وق کچھ نہیں ماشاء اللہ بڑی اچھی صحت کا لڑکا ہے۔ لیجئے صاحب لڑکی کے ابا اپنی بیوی سے ناراض ہیں کہ ایسی بے سروپا بات پر

یقین کر کے اچھی بھلی نسبت چھڑوا دی۔ لڑکی کی ماں کہتی ہیں اگر میری استانی جی نے جھوٹ بولا تھا تو یہ تمھارے پیر جی کو کیا ہو گیا تھا جو انھوں نے کہلوایا۔ جب اور تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ پیر جی سے انھیں استانی جی نے کہا تھا۔ اب نزلہ استانی جی پر گرا۔ استانی جی نے دیکھا کہ عضو ضعیف میں ہی بنی ہوئی ہوں تو آئیں بائیں شائیں اڑا برقعہ جھاڑ دور جا کھڑی ہوئیں اور چلتے چلتے سناتی گئیں۔" واہ بیوی ہم نے تو خیر خواہی سے ایک بات کہی تھی تمھیں چاہیے تھا کہ اس کے متعلق خود بھی چھان بین کر لیتیں"۔ اور سب تو الگ ہو گئے مصیبت پڑی تو لڑکی پر یا اس کے ماں باپ پر سب طرح سے تباہ بھی ہوئے اور کہیں سے نسبت بھی نہیں آتی یہ ہیں نتیجے تلون مزاجی کے۔ اگر غور کرو تو ایسی صدہا مثالیں تمھیں تمھارے گرد و پیش ملیں گی۔ اب قیاس کرو غیر مستقل مزاجی کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

تلون کی ضد کیا ہے۔ استقلال۔ استقلال کا مادّہ کیا ہے

علم الیقین اور علم الیقین مرکب ہے علم اور تجربہ سے تو ثابت ہوا
کہ ناقص تعلیم اور ناتجربہ کاری کا نتیجہ تلون ہے۔ یہاں تک
پہنچنے کے بعد تمھارا خیال فوراً پچھلی بحث پر جائے گا۔ اور جھٹ
کہدوگی کہ یہ تو وہی بچپن کی تعلیم و تربیت والی بات ہے۔
ہاں یہ وہی بات ہے اور ایسی بڑی بات ہے کہ ہر سمجھدار کو
اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ یاد رکھو جہالت خدا کا قہر ہے۔
اور ایسا قہر ہے جس قوم پر یہ نازل ہوتا ہے دنیا جہاں میں
کہیں اس کا ٹھکانا نہیں رہتا ۞

(۵)

(۴) اخلاقی حس ہمیشہ متاثر رہنی چاہیے

فلاں انسان نیک ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ
انسان اور انسانوں سے نیکی میں افضل ہے۔ نیکی خود کیا چیز
ہے یہ ایک خیال ہے جس کی اتباع سے انسان جمہور کے
فائدہ کو اپنے فائدہ پر ترجیح دیتا ہے یہ خیال پیدا کیونکر ہوتا ہے

قدیم سے قدیم تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں نیکی کا خیال افضل مانا گیا ہے گو اس کے فروعات میں ہمیشہ اختلاف رہا اور معیار کے قائم کرنے میں افراط تفریط برتی گئی مگر اس خیال کی برتری میں فرق نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک قدیم اور نہایت پسندیدہ خیال ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ عوام میں اس خیال کو رواج دینے کیلئے قدیم زمانہ سے ابتک کیا طریقہ تفہیم برتا گیا اس سوال کو حل کرنے کیلئے فطرت انسانی کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ صحیح رائے قائم ہو سکے مثال کے طور پر ایک چار سالہ بچے کو لو (کیونکہ عوام کی مثال بچوں کی سی ہے) اور اس سے کہو کہ بیٹا آؤ تمہیں پڑھنے بٹھادیں کہ پڑھنے سے انسان شریف ہوجاتا ہے لڑکا ٹکر ٹکر تمھارا منہ دیکھے گا اور خاک بھی نہ سمجھے گا کہ تم کیا کہہ رہی ہو اگر اسی مفہوم کو تم یوں ادا کرو کہ "بیٹا پڑھنے لکھنے سے بچے گھوڑا گاڑی پر چڑھتے ہیں اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں لوگ پیار کرتے ہیں" تو یہ خیالات اس کے ننھے سے دماغ میں پہنچکر

عجیب اثر کرتے ہیں اور بے اختیار اس کے چہرے سے
مسرت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور خوشی میں اُچھلنے
کودنے لگتا ہے یا اسی لڑکے کو مدرسہ میں بٹھا دو اور اس
سے کہدو کہ روز شام کو تم جب مدرسہ سے آؤگے تو تمھیں
مٹھائی کھانے کو دو پیسہ ملا کریں گے پھر دیکھو صبح اٹھتے ہی
کیسے خوشی خوشی وہ تم سے دو پیسوں کا اقرار لیتا ہے
اور مدرسہ سے واپس ہوکر ان دو پیسوں کیلئے کیسا گرما گرم
تقاضا کرتا ہے کہ تمھیں دم نہیں لینے دیتا اور جب تم
دینے میں دیر کرتی ہو تو کیسی سنجیدگی سے کہتا ہے دیکھو کہ
اگر تم جلدی سے ہمیں پیسے نہ دوگی تو ہم بھی کل سے مدرسہ
نہیں جائیں گے یہ ہے اصلی اور سچی انسانی فطرت اسی
بناء پر نوجوانوں کو تعلیم کیلئے بڑے بڑے لالچ دئے جاتے
ہیں امتحانات میں انعامات مقرر کئے جاتے ہیں وظیفے جاری
ہوتے ہیں اور طرح طرح سے ان کا دل بڑھایا جاتا ہے
اب اس کو بھی سمجھ لو کہ عوام کی مثال بچوں کی سی

کیوں کر ہے تم کتنی ایسی عورتیں بتا سکتی ہو جنہوں نے خود
ذاتی طور پر ہر کام کا تجربہ اور ہر بات میں غور کیا ہو اچھا
اس کو بھی جانے دو تم خود ہی غور کرکے بتاؤ کہ بچپن سے
ابتک تم نے کتنی باتوں کو ذاتی طور پر تجربہ کرکے یقین کیا
ہے غالباً ایک بھی نہیں پس اسی طرح ہر انسان تقلید کا
بندہ ہے بچپن سے بڑھاپے تک ہر بات تقلید سے حاصل
کرتا ہے اور دماغ پر ذرا بھی بار نہیں ڈالتا ظاہر ہے تقلید
سے انسان انہی باتوں کو حاصل کرسکتا ہے جو اپنے گھر میں
عزیز اقارب میں دوست احباب میں روزانہ دیکھتا ہے۔
اور چونکہ وہ دماغ پر بار ڈالنے کا عادی نہیں ہے اس لئے
مجبور ہے کہ جو باتیں ان میں دیکھے یا جن کا اچھا ہونا سنے
بلا کسی حیل وحجت کے فوراً یقین کرلے ایسے لوگ بچپن سے
محض تقلید میں سرشار رہتے ہیں اس لئے ان کی دماغی قوت
ماند بلکہ فنا ہوجاتی ہے اور جذبات میں تیزی آجاتی ہے
جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر وہی باتیں اثر کرتی ہیں جو

ان کے جذبات کو متاثر کریں اور جو عقل پر اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں وہ ان کیلئے خرافات ہیں ؁

قران پاک کی بھی جس سے بڑھکر کوئی معلم اخلاق نہیں ہے یہی تعلیم ہے ان آیتوں کو غور سے پڑھو جہاں لذائذ جنت اور شدائد دوزخ کا فوٹو کھینچا گیا ہے جس کو پڑھ کر جذبات اسقدر متاثر ہوتے ہیں کہ انسان بے خود ہوجاتا ہے مگر ایک حقیقت شناس (صُوفی) پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس تقریر سے تم پر کھل گیا ہوگا کہ فطری احساسات میں کیونکر بچّہ اور عوام برابر ہیں۔ اب ہم پھر اپنا سلسلہ کلام جاری کرتے ہیں جب ہم کو یہ معلوم ہوگیا کہ ہر انسان بچپن سے بڑھاپے تک محض تقلید ہی کرتا رہتا ہے تو اب اس نکتے پر پہنچنا دشوار نہیں کہ اخلاقی تعلیم جذبات کو متاثر کرکے حاصل ہوسکتی ہے ؁

بچہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ چار سال کی عمر کو پہنچکر اپنے اجدادی رنگ پر چڑھتا ہے اور ماں باپ کے

عادات و اطوار کی نقل کرتا ہے اور جب ایک مدت تک وہی
باتیں دیکھتا اور سنتا ہے تو یہ رنگ اس پر مستقل اور گہرا
ہوجاتا ہے اور جیسا کہ مقولہ ہے کہ عادت طبیعت ثانی
ہوجاتی ہے اسی طرح یہ خیال مستقل ہوکر ایک فطری حاسہ
کی طرح طبع انسانی میں کام کرتا ہے اور اسی حاسہ کو
اصطلاحاً "ضمیر" کہتے ہیں یہی وجہ ہے جو نیک ماں باپوں کی
اولاد نیک اور بُروں کی بد ہوتی ہے تو گویا ہم نے یہ ثابت
کیا کہ ضمیر تربیت سے استوار ہوتا ہے اور تجربہ سے اسمیں
استقامت آتی ہے بہت ممکن ہے اس نظریہ کے خلاف
چند مثالیں تمھیں پریشان کر رہی ہوں جیسے کسی شریف کی
اولاد میں عاداتِ بد کا پیدا ہوجانا یا کسی رذیل میں اچھے اخلاق
کا ہونا ثابت یہ ہوا ہے کہ انسان تقلید سے کچھ حاصل کرتا
ہے اور تجربہ سے اس میں استقامت آتی ہے اور تقلید
جذبات کے متاثر ہونے سے ہوتی ہے لیکن اس سے مختلف
طریقہ سے کوئی بات حاصل کی جائے یعنی حس پر عقل سے

پہچاننے کے بعد یا مسرت کا تجربہ کرنے کے بعد یقین کیا جاتا ہے
وہ تقلید نہیں کہلاتی اور جب وہ تقلید نہیں کہلاتی تو ہمارا
کُلیّہ بھی اس پہ مطابق نہیں ہوتا غرض اس بات کو خوب
ذہن نشین کرلو کہ انسان میں ایک مستقل ضمیر بنانے میں جو
چیز مدد کرتی ہے وہ تربیت کی عمدگی ہے عمدہ تربیت سے
عمدہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور جب اس میں پختگی آجاتی ہے
تو اخلاقی حس ہمیشہ متاثر رہتی ہے جو امن عامہ کی بہترین
ضامن ہے ۞

(۶)

فرائض اور مسرتیں میں فرق تمیز کرنا

اتبک تو ہم نے یہی ثابت کیا کہ انسان محض تقلید
کرتا ہے اور ہم کو تقلیداً بچوں میں عمدہ اوصاف بھرنے
چاہئیں مگر ساتھ ہی ہمارے پاس یہ بھی ثابت ہے کہ جہالت
تمام برائیوں کی جڑ ہے اور چونکہ تعلیم اور محض تقلید ایک

دوسرے سے بیگانہ ہیں اس لئے تقلید کے اس عام نظریہ نے
بغیر ٹوٹے کے ایک اور صورت بدلی یعنی انسان جب تعلیم
حاصل کرتا ہے تو اس کو بہت سی باتیں درست معلوم ہوتی
ہیں اور بہت سی اپنے علم کی نقیض ایسی صورت میں وہ ان
باتوں کی جو اس کے علم الیقین کے خلاف ہوں اصلاح کرتا
ہے اور سمجھداری سے پچھلی حاصل کی ہوئی اور اپنے علم کی
بدولت جو باتیں حاصل ہوتی ہیں انھیں اپنے طرز پر ایک جدید
طریقہ سے ترتیب دیتا اور اس کے نتیجہ کو اپنے عملی زندگی کیلئے
رہنما بناتا ہے اور تمام عمر اسی پر چلتا ہے تم کہہ سکتی ہو کہ جو
چیز اس کی زندگی کیلئے رہبر ہے وہی اس کا ضمیر ہے یہاں
ایک اور نکتہ سمجھنے کے قابل ہے یعنے جو نتائج تم علم الیقین
کے بناء پر نکالوگی ان میں کسی قسم کی خودغرضی کو دخل نہ ہوگا
اور اپنے ضمیر کے فتوے کی تعمیل اپنا فرض جانکر بغیر کسی لالچ
یا خوف میں آئے کے کئے جاؤگی اور یہی اخلاق کا مقصد عین
ہے اور ایسے ہی اخلاق کا آدمی عوام کے جذبات پر حکومت

عزیز بہنو! یاد رکھو نیک اور خلیق وہی ہے جسکے اخلاق
بے لوث اور نیکی ریا سے پاک ہو ورنہ جس نیکی کی تہ میں خودغرضی ہے
اور اخلاق میں فائدہ مدنظر ہے وہ ریاکاری اور تصنع کہلاتی ہے اور
ریاکار آدمی اسمیں کچھ شک نہیں جبتک عوام کو اس سے واقفیت
نہیں ہوتی بڑی قدر حاصل کرتا ہے مگر جب ریا کھلجاتی ہے تو اتنا ہی
ذلیل و خوار ہوجاتا ہے اور خلیق و نیک آدمی اگر کسی بیرونی سبب سے
مصیبت میں گرفتار بھی ہوگیا تو بھی اس مصیبت پر ایسی عمدہ طرز سے
فتح پاتا ہے جو پھر ہمیشہ کیلئے اس کا طرۂ امتیاز ہوجاتا ہے۔ میری وہ
بہنیں جنہیں ابھی سسرال کی منزل درپیش ہے معلوم کریں کہ یہ عجیب جگہ
انکی امتحان گاہ ہے جہاں وہ صرف بے حسی اور بے لوث اخلاق
ہی کی بدولت کامیابی حاصل کرسکتی ہیں جانتی ہو اس شخص کو دنیا
ذلیل کہتی ہے جو دنیا کے ذرا سے فائدہ کے بدولت اپنا ضمیر بیچدیتا
ہے اور اس شخص کی دنیا بہت عزت کرتی ہے جس کے اخلاق
بے لوث اور نیکی ریا سے پاک ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ انسان اگر دنیا
میں عزت حاصل کرسکتا ہے تو بے لوث اخلاق کی بدولت ؏

سبق دوم

(۵)

طعن وطروز

ساس بہو نند بھاوج دیورانی جٹھانی وغیرہ یہ رشتہ خصوصیت سے ایسے ٹیڑھے ہیں کہ ان میں آپس میں بعض دفعہ سیدھی سی بات بھی طعن وطروز کی مترادف سمجھی جاتی ہے طعن دراصل تنبیہہ کا بہت بُرا اور اظہار کبیدگی کا نہایت مکروہ ذریعہ ہے ابتدا تو اس کی بالکل معمولی باتوں سے ہوتی ہے لیکن انتہا بڑی خاک اڑاتی ہے یہ مرض عموماً ہر طبقہ کی عورتوں میں پایا جاتا ہے البتہ پڑھی لکھیوں میں کم اور جہلا میں زیادہ ہوتا ہے اور جہاں دونوں طرف جہالت ہوتی ہے وہاں تو بس

قیامت ہی آجاتی ہے طعنہ دینے والوں کی تو خبر نہیں کیا
حالت ہوتی ہوگی لیکن سننے والوں کا دل الٹنے لگتا ہے
یہ مرض خود پسندی اور جذبہ غضب سے پیدا ہوتا ہے
تم نے پچھلے سبقوں میں پڑھا ہوگا کہ ہر شخص کے جذمات
مختلف ہوتے ہیں پس اسی اختلاف کے تحت اس کی
نشو ونما ہوتی ہے یعنے جو بیویاں خود پسندی اور
آتش مزاجی میں مشہور ہوتی ہیں وہی زیادہ تر اس
خصوصیت میں بدنام بھی ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ جن
باتوں سے آپس میں نوک جھوک ہونے لگتی ہے گو اُنکی
ابتدا نئی نئی طرز میں ہو لیکن خاتمہ انہی چند گنی چُنی باتوں
پر ہوتا ہے جو یا تو طعن وطروز کی پیدائشی ساتھی ہیں یا
انہی سی طعن وطروز کی پیدائش ہوئی ہے مثلاً ساس نندوں
کی طرف سے بہوؤں کو ہمیشہ اسی قسم کے طعنہ ملتے ہیں
یا اُن کا تار اسی مضمون پر آکر ٹوٹتا ہے کہ تم کیا ساتھ
لائیں۔ تمھارے ماں باپ نے تمھارا کونسا کام ڈھنگ کا

کیا۔ تم کسقدر بدسلیقہ ہو۔ تم غضب کی احدی ہو کہ ذرا سا کام بھی تم سے نہیں ہو سکتا۔ کسی وقت میاں کا ساتھ چھوٹتا ہی نہیں کمرہ سے نکلا ہی نہیں جاتا وغیرہ وغیرہ ؛

اگر بہو آزاد خیال اور تعلیم یافتہ اور ساس نندیں جاہل ہوئیں تو یہ کہا جاتا ہے" اے ہے کیسی بے شرم عورت ہے جواب دیتی ہے۔ یہ تو مردوں کی طرح ہر وقت کتابوں ہی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ کیسی طبیعت پائی ہے کہ ہر وقت چپ اور منہ پھولا رہتا ہے وغیرہ "

اگر بہو میکے میں لاڈ پیار سے پلی ہے اور سُسرال آنکر اس کو خرچ وغیرہ کی تکلیف ہو یا کسی غیر معمولی کاج کیلئے روپیے کی ضرورت ہو تو کہا جاتا ہے منگواؤ نا اپنی اماں سے اپنے ابا سے اے ہے کیسی عادتیں خراب ہیں کس غضب کا چٹورپن ہے وغیرہ۔ اگر سُسرال والے بہو کے میکے میں اپنی ہاں سے مختلف طرز معاشرت پاتے ہیں تو وہ خواہ کتنا ہی مہذب کیوں نہ ہو اس کا بھی ذم کے

پہلو سے ذکر کرتے ہیں "ان کے ہاں تو سب کرشان
بنے ہوئے ہیں وقت پر کھاؤ اور وقت پر سو اے
وہاں تو سب وقت وقت کی راگنی الاپتے ہیں وغیرہ"

اگر سُسرال مالدار ہوئی اور ساس نندیں خیر سے
علم و عقل سے بھی کوری ہوئیں اور بہو تعلیم یافتہ لیکن
متوسط گھرانے کی ہے تو بس اس کی شامت آگئی گھر
کی بیویوں کے علاوہ مامائیں چھوکریاں آنے جانے والیاں
غرض اس گھر سے تعلق رکھنے والا ہر فرد اپنی بڑھائی کے
عجیب عجیب نظرے پیش کرتا ہے کوئی کہتا ہے کبھی
میکے میں بھی تھیں یہ چیزیں نصیب ہوئی تھیں۔ کوئی
کہتا ہے اماں باوا نے بھی تھیں ایسا رکھا تھا۔ نوکرانیاں
باتوں باتوں میں چپکے سے انچھر مار جاتی ہے کہ کبھی
مامائیں رکھی بھی تھیں چھوکریاں بڑبڑاتی ہیں بڑی بیگم
بنی بیٹھی ہیں کبھی حکومت بھی کی تھی وغیرہ وغیرہ"

دیورانی جیٹھانیاں اور پاس پڑوسنوں میں عموماً

بڑائی کے متعلق نوک جھوک ہو جاتی ہے جو زیادہ قابل
ذکر نہیں ہے غرض یہ اور اسی قبیل کی بیہودہ باتیں طعن و
طروز کہلاتی ہیں لیکن اکثر یہ بیہودہ باتیں دل میں ایسے
گہرے گھاؤ ڈالتی ہیں کہ برسوں میں بھی یہ زخم مندمل
نہیں ہوتے عورتوں سے بڑھکر بات مردوں میں جاتی ہے
اور اچھے بچھے خاندانوں میں لڑائی جھگڑوں کا ایک
غیر متناہی سلسلہ قایم ہو جاتا ہے ہندوستان میں جو ساس
بہوؤں کے جھگڑے عام ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے
کہ ہماری عورتیں علم سے عاری اور اخلاقی حیثیت سے
بہت پست ہیں ان میں نہ بات کی برداشت ہے اور
نہ موقع اور وقت کی۔ پہچان تمدن اور تہذیب کی
قدر و قیمت سے قطعی ناواقف اور ملاپ و محبت کے ثمرات
سے یکسر محروم ہیں۔ یہاں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ طعن و طروز
کے معاملہ میں ہمیشہ ساس نندوں ہی کا قصور ہوتا ہے
بلکہ اس میں بہو کی بدسلیقگی بدلحاظی اور گستاخی کو بھی دخل ہے

اور اس لحاظ سے دونوں مساوی قصور وار ٹھہرتے ہیں ؂
لیکن ہم حیران ہیں کہ ان بیویوں کا جو آپس میں
ایسی بیہودہ باتیں روا رکھتی ہیں کیا مقصد ہوتا ہے جو اپنے
مخاطب کو اشتعال دلاکر خود بھی ذلیل ہوتی ہیں ؂
دوسرے فرض کرو کسی سے کوئی غلطی ہو بھی گئی تو
کیا اس پر طعن وطروز کی بوچھار کرنے سے وہ غلطی دُور
ہوسکتی ہے ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ طعنہ دینے سے مغلوب الغضب
آدمی کے دل میں ٹھنڈک پڑجاتی ہے لیکن غور تو کرو ایسے
آدمی کی جو ضبط کا عادی نہو دنیا میں کیا قدر وقیمت ہوسکتی
ہے جس کو دوسروں کے ستانے اور چھیڑنے میں لطف آئے
اس کو تم خود کب اچھی فطرت کا انسان کہتی ہو۔ دل آزاری
ہر مذہب میں گناہ ہے اور طعن وطروز دل آزاری ہی کے
مرادف ہے تو گویا بدنام بھی ہوئے اور گنہگار بھی ملاپ
اور محبت مدنیت کی اصل اور حقیقت ہے اور تمدّن
اللہ تعالیٰ کی رحمت نفاق اور لڑائی اللہ تعالیٰ کا قہر ہے

اور طعن وطرو ز لڑائی اور نفاق کا پیش خیمہ ہے تو گویا محض طعن وطروز
سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے۔ خدا کی پناہ!!
اس سے زیادہ دردناک یہ حقیقت ہے کہ وہ بہنیں جنہیں طعن وطروز
میں ایک خاص لطف آنے لگتا ہے وہ اوروں کی دل آزاری کے ساتھ
اپنی عادتیں بھی خراب کر لیتی ہیں اور اُنکی یہی عادتیں وراثتاً انکی اولاد
میں سرایت کر جاتی ہیں اور یوں وہ خود زندگی بھر کڑھتے اور جلتے
رہنے کے بعد اپنی اولاد کو بھی اسی مصیبت میں پھنسا جاتی ہیں۔
عزیز بہنو مقصد حیات کی تکمیل محبت اور خلوص سے ہوتی ہے
نفاق اور بدگوئی سے سیرت انسانی کی تخریب کیساتھ ساری دنیوی
مسرتیں خاک میں ملجاتی ہیں اور زندگی وبال ہوجاتی ہے۔
نیکنام اور عقلمند وہ ہے جو اپنی زندگی امن چین
اور ہنسی خوشی بسر کرنے کے ساتھ اپنے قابل تقلید طرزِ عمل
سے اپنے متعلقین کی زندگی سنوار دے اور یہ بات اُسوقت
حاصل ہوتی ہے جب اس کے دل میں خلوص صداقت
اور رواداری کا دریا موجزن رہے۔

سبق سوم

(۶)

شیخی

دانستگی یا نادانستگی سے لیکن عموماً ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر بہنیں اس مرض میں مبتلا ہیں جہاں دوچار ایک جگہ اکٹھی ہوجائیں تو بس اپنے سُسرال یا میکے کی بُرائیاں کرنے لگتی ہیں ؎

شیخی دراصل ایک بھڑک دار پردہ ہے جس کے اندر انسان کے اصلی حالات اور عادات پنہاں ہوتے ہیں تھوڑی دیر کیلئے شیخی خورہ انسان اپنی شاندار تقریر سے

لوگوں کو چوندھیا دیتا ہے لیکن بہت ہی جلد اصلیت بھی کھل
جاتی ہے کیونکہ وہ عموماً یہ کوشش کرتا ہے کہ میں اپنے میں
ایسی باتیں ظاہر کروں جو اوروں میں نہ ملیں اس خیال کے
نبھانے میں وہ ایسی شدت برتتا ہے کہ نہ صرف اپنی لفاظی
میں اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے بلکہ بعض باتیں عام فطرت
کے خلاف بھی کہہ جاتا ہے۔ جس سے سننے والا مشکوک ہوجاتا
ہے اور اپنے دل میں اصلی باتوں کی ٹوہ لگانے کا خیال
لے جاتا ہے اور اس طرح بہت جلد اس کی اصلیت ظاہر
ہوجاتی ہے شیخی خوروں کے کئی مقصد ہوتے ہیں مثلاً
کسی ناواقف بیوی سے اپنی عزت کرانا امیر بیوی کے
نظروں میں گھٹیا نہ رہنا سسرال والوں کے طعن سے بچنے
کو میکے کی بڑائی کرنا یا ہمنشینوں میں اعزاز حاصل کرنا
وغیرہ۔ لیکن غور کیا جائے تو ان مقاصد کیلئے جو لوگ
شیخی کرتے ہیں خواہ مخواہ اور مفت کا گناہ سمیٹتے ہیں
ورذلیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی باتیں انھیں اور طرح سے

بھی حاصل ہو سکتی ہیں ذاتی قابلیت اور سمجھ کی ضرورت ہے
پھر ان مہمل باتوں کی احتیاج باقی نہیں رہتی اگر تمھاری
گفتگو مہذب اور طرز شیریں ہے تو ناواقف بیویاں بھی
تم سے مخاطب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں بلکہ تم سے ملنے
اور تمھاری عزت کرنے کا موقع ڈھونڈتی رہیں گی رہی
امارت سُو آنی جانی چیز ہے اس پر گھمنڈ کرنا بیوقوفوں
کا کام ہے اور ظاہر ہے کہ بیوقوفوں کی برابری کا کسی
کے دل میں خبط سما جائے تو یہ احمق پن کی کھلی ہوئی
دلیل ہے اور جو لڑکی محض سُسرال کے طعن و تشنیع سے بچنے
کیلئے میکے کو چڑھاتی ہے اور وہ دراصل اپنی اور اپنے ساتھ
اپنے میکے کی تذلیل کرتی ہے اس لئے کہ کیا سسرال والے
اچھی طرح چھان بین نہیں کر چکتے اور جب چھان بین
کر چکتے ہیں تو اس کی شیخی کیا اس کے میکے کیلئے موجب
ذلت نہیں ہے ؟

تم نے بارہا دیکھا ہو گا کہ اکثر بیویاں شادی بیاہ یا

کسی اور تقریب میں شان دکھانے کو اپنی حیثیت سے بڑھکر تیاریاں کرتی ہیں اس سے دراصل انہیں امیروں کی ریس مقصود ہوتی ہے لیکن کیا وہ کامیاب بھی ہوتی ہیں ؟ انسان کو ایسا کام کرنا چاہئے جو ہمیشہ نبھہ سکے۔ کسی کے دکھاوے کو شرما شرمی یا شیخی میں آنکر ایسا کام نہ کریں کہ بعد میں اُسکو نبھا نہ سکیں۔ بعض بہنیں اپنی خفت مٹانے کو بھی شیخی کیا کرتی ہیں یہ بھی بہت بُری بات ہے اول تو ایسا کام ہی کیوں کریں جس سے خفیف ہونا پڑے اور پھر جھوٹ سے خفت مٹانا تو اور بری بات ہے ٭

کہیں آنا جانا ہوگا خوب فوق البھڑک تیاریاں ہوں گی۔ دل کھول کر فضول خرچی کی جائیگی۔ کہ چار ملنے والوں میں سبکی نہو مانا خودداری اچھی چیز ہے لیکن اسطرح کی خودداری دکھانا تو خودداری ہی کا خون کرنا ہے ٭

میاں پچاس روپیے کے نوکر ہیں لیکن بیوی صاحبہ چاہتی ہیں کہ پانچسو روپیے والی بیوی کی ریس کریں۔ باوا

سو روپیے پاتے ہیں لیکن صاحبزادی کی آرزو ہے کہ ہزار روپیے والے کی طرح رہوں۔ بھلا یہ کیونکر نبھ سکتا ہے اس طرح کی لڑکیاں سوہان روح ہوجاتی ہیں ٭

دیکھو قابل اور سمجھدار افراد ہر بات میں کسطرح فروتنی اور انکساری برتتے ہیں لیکن ان کا مخاطب ان کی بہت عزت کرتا ہے وجہ کیا ہے؟ جو شخص اپنے اخلاق کو ہمیشہ درست رکھتا ہے اور برائی کے سمجھنے پر قادر ہے وہ بجائے اپنی اچھائیوں کے دیکھنے کے ہمیشہ برائیوں کو دیکھتا ہے اور اسی پر غور کرتا رہتا ہے کہ فلاں بری عادت کو میں کسطرح بدلوں اس کے علاوہ جب کوئی اپنی برائیوں کو معلوم کرلیتا ہے تو بھلائیاں نظرانداز ہوجاتی ہیں اسطرح وہ اپنے اخلاق کی تکمیل کرتا جاتا ہے اور چونکہ وہ برائی اور بھلائی کے حقیقی معنی سمجھتا ہے اسلئے کبھی اپنی اچھائی پر مغرور نہیں ہوتا۔ کیونکہ غرور خود برائی ہے لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں لیکن وہ جانتا ہے کہ ابھی اسے بہت کچھ ہونا ہے اسلئے وہ تعریف کو موجودہ کامیابی سے بہت زیادہ تصور کرتا ہے اور آئندہ کیلئے اس کو دلیل راہ بناتا ہے۔ لیکن نالایق آدمی محض

اپنی بھلائیوں کو دیکھتا ہے اور جب کوئی دوسرا اسکی بھلائیوں
کو نہیں دیکھتا تو خود ہی جب موقع ملتا ہے اپنی تعریف آپ
کرنے لگتا ہے اور اسطرح وہ اپنی ایک آدھ اچھائی کو بھی
نبھا نہیں سکتا اور اس خود پسندی کا نام مشیخت ہے۔

جب انسان میں مشیخت پیدا ہوجاتی ہے تو نہ وہ دوسروں
کے کمال کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ترقی کو اور نہ کسی کی اچھی بات
اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے بلکہ رات دن اپنی ہی تعریف
کرتا رہتا ہے۔ اس حد تک پہنچکر اس میں رشک وحسد کا مادہ
پیدا ہوجاتا ہے جس کو وہ نکتہ چینی اور بدگوئی کے پردے میں
چھپاتا ہے۔ اس انتہا پر اس سے عملی ترقی کی صلاحیت مفقود
ہوجاتی ہے اور ہم چشموں میں ذلیل وخوار ہونے لگتا ہے۔

جب ہم نے اس حد تک معلوم کرلیا تو اب یہ دیکھنا چاہیے
کہ اس مرض کا علاج کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ غور کرو مشیخت کی
ضد کیا ہے۔ انکساری۔ انکساری کسطرح پیدا ہوتی ہے معلومات
اور قابلیت سے تو معلوم ہوا کہ جاہل اور نالایق آدمی شیخی خورہ

ہوتا ہے یعنی ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اخلاقی تعلیم ہمیشہ بصورت مطالعہ جاری رہنی چاہیئے۔

بعضوں میں ہم نے بگڑے ہوے خاندان کے تصور سے ہی یہ مرض پایا ہے اس صورت میں بھی کثیر مطالعہ کی ضرورت ہے اور کتاب ایک لایق اور فیض رساں مشفق۔

اس مضمون کے آخر میں ہم اس موضوع پر تھوڑی سی بحث کرینگے اسکو غور سے پڑہو یہہ بحث اکمل ہوجائے گی۔

(۲)

(۷) غیبت اور نکتہ چینی

مشیخت کے بعد نکتہ چینی کا نمبر آتا ہے یہ ایسا متعدی مرض ہے کہ کوئی گھر اس سے محفوظ نہیں معلوم ہوتا۔ جب کوئی اور موضوع گفتگو کیلئے نہیں رہتا تو کسی خاص شخص کے عادات و طرز زندگی کو ہدف نکتہ چینی کیا کرتے ہیں اور یہ موضوع کچھ ایسا دلچسپ ہوتا ہے کہ گھر کے کام کاج چھوڑ سب چھوٹے بڑے اسی کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور خوب خوب طبع آزمائیاں کرتے ہیں۔

غیبت سخت ترین اخلاقی جرم ہے اور حسد اور خودپسندی
سے اس کی ترکیب ہوتی ہے۔ غیبت کرنے والے کا مقصد یہ
ہوتا ہے کہ کسی خاص شخص کو جس سے یہ ناراض ہے دوسروں
کی نظروں میں ذلیل کردے۔ لیکن چونکہ اس میں یہ ہمت
نہیں ہوتی کہ اس کی برائی اس کے منھ پر کرے اس لئے
وہ چھپاکر کرتا ہے اور اسی لحاظ سے یہ فعل انتہا درجہ کا کمینہ پن ہے
ایسے خاص موقعوں پر جب چار گھر کی عورتیں ایک جگہ
جمع ہوتی ہیں اکثر اور عموماً یہی مشغلہ رہتا ہے بعض دفعہ محض
مذاق کیلئے کسی کی برائی کی جاتی ہے بعض دفعہ ہمدردی سے
اور کبھی کبھار بلا کسی خیال کے۔ لیکن اس کی ہر صورت قابل
ملامت ہے۔ غور کرو کسی کی برائی کرنے سے دراصل مقصود کیا
ہوتا ہے اگر یہ مقصد ہے کہ برائی کرنے والا اپنی اچھائیوں کو
اس کی برائیوں کے مقابلہ میں پیش کر رہا ہے تو گویا دوسروں
کو ایک نامعقول سبق دے رہا ہے اور اپنی اچھائیوں کی
بنیاد برائیوں پر قائم کر رہا ہے جس میں ثبات نہیں ہوسکتا

اگر برائی کرنے سے محض مذاق منظور ہے تو یہ بھی بری بات ہے
کہ تھوڑی دیر کی ہنسی کیلئے دوسرے کی دل آزاری ہوئی۔
ہمدردی سے بھی کسی کی برائی کرنا معیوب ہے اول توجسکو
ہمدردی ہوگی وہ کبھی برائی نہ کرے گا کیونکہ برائی کرنے سے
بُرے آدمی کو ضد آجاتی ہے اور ہمدردی کا مقصد باقی نہیں
رہتا۔ مثلاً فرض کرو تم کو کسی میں کوئی بری بات معلوم ہوئی
اور تم یہ چاہتی ہو کہ وہ اس کو ترک کردے تو بہترین طریقہ
یہ ہے کہ جس کی برائی تم پر ظاہر ہو اس کو تنہائی میں نرم
زبان اور عمدہ طرز میں بتادو اور پھر بھول کر بھی اُس کا
ذکر نہ کرو۔ اور نہ اس کی مذمت کرو۔ وہ خود اپنی برائی سے
آپ شرمندہ ہوجائیگا اور خود ہی اصلاح کرلیگا۔

انسان کی جب توہین کی جاتی ہے تو اس کو غصہ
آجاتا ہے اور غصہ جب دور نہیں ہوسکتا تو غم پیدا ہوتا ہے
اور ان ہی دو جذبوں سے مل کر ایک اور کیفیت پیدا
ہوتی ہے جس کو ضد کہتے ہیں۔ جب یہ کیفیت انسان میں

پیدا ہو جاتی تو پھر کسی بات کا اس پر اثر نہیں ہوتا اور نہ
وہ اپنے آپ کو درست کر سکتا ہے حتیٰ کہ انتہا پر پہنچ کر وہ بدگوئی
پر اتر آتا ہے اور اپنے ساتھ اپنے متعلقین کو بھی بدنام کر دیتا ہے۔
اس کے علاوہ ذرا نظروں کو وسیع کرو۔ برائی بھلائی
تو دراصل اپنی ہی ہے اگر ہم اچھے ہیں تو اوروں کی بھی ہم کو
بھلائیاں نظر آئینگی اور اگر ہم ہی بُرے ہیں تو ہمارے لئے
سارے جہان میں برائیاں ہیں۔ نیک اور اچھے آدمی ہمیشہ
دوسروں کی بھلائیاں دیکھا کرتے ہیں اور برائیوں کے طرف
ان کی توجہ نہیں ہوتی لیکن جو بُرے ہوتے ہیں وہ اس
ڈر سے کہ کہیں ان کی برائیاں نہ ظاہر ہو جائیں دوسروں
کی برائیاں کرنے لگتے ہیں یا یہ کہ جب خود برے ٹھہرتے
ہیں تو اوروں میں بھی اپنی خفت مٹانے کو عیب لگا دیتے
ہیں اور یہ سب بے شرمی کی باتیں ہیں۔

برائی کرنے کی ایک اور شق بھی ہے یعنی جو باتیں ہم
اپنے ہاں مروّج دیکھتے ہیں اور جن کو ایک زمانہ سے

کرتے رہنے کے باعث وہ ہم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں جب دوسروں میں ان کے خلاف دیکھتے ہیں تو اس کو برائی سے تعبیر کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتے ہیں اس خیال کی بنیاد دراصل تعصب کی ایک ہلکی سی کیفیت ہے۔ اور تعصب چونکہ جہالت سے ودیعت ہوتا ہے اس لئے اس مرض میں عموماً جاہل عورتیں مبتلا ہیں۔ وہ اس کو تو سمجھتی نہیں کہ اچھائی اور برائی بذاتہ کیا وزن اور قیمت رکھتی ہے اور اخلاق انسانی پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ وہ صرف یہ جانتی ہیں کہ فلاں کام جو ہمارے ہاں کیا جاتا ہے فلاں بیوی نہیں کرتیں اور اسی لئے برا کرتی ہیں لیکن چونکہ اپنے فعل کی خوبی اور دوسروں کے ترک پر برائی کی کوئی دلیل نہیں لاسکتیں اس لئے انھیں علانیہ کچھ کہنے کی جرأت بھی نہیں ہوتی اور یوں وہ چپ کے چپ کے غیبت کے مرض میں مبتلا ہوجاتی ہیں اور جب اس میں شدت ہوتی ہے تو کوتاہ نظری اور غرور کی مجسّم تصویر بن جاتی ہیں اور سوسائٹی کو بھی

اپنے ساتھ تباہ کر دیتی ہیں ۔

اس مرض کے پیدا ہونے کے اور بہت سے اسباب ہیں اگر رواداری سے غور کرتی رہو تو تم کو خود اس کو مختلف صورتوں کا علم ہوتا جائیگا ۔

یہاں یہ دیکھتے ہیں کہ اس کا علاج ہم کیونکر کرسکتے ہیں اوپر کی تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تعصب اور جہالت سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے اب غور کرو جہالت کی ضد کیا ہے۔ علم۔ اور تعصب کی ضد کیا ہے۔ رواداری۔ تو گویا علم اور رواداری سے ہم اس مرض پر فتح پا سکتے ہیں آگے کی تفصیل اس بحث کے سمجھنے میں مدد دیگی ۔

(۳)

پچھلی بحث میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اخلاق تقلیداً جذبات کو متاثر کر کے حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہاں ہم دکھائیں گے کہ ترتیب اخلاق میں جذبات کس طرح متاثر ہوسکتے ہیں لیکن اس بحث میں جانے سے پہلے یہ معلوم

کرلینا ضروری ہے کہ جذبات کے اعتبار سے طبائع انسانی میں کیا اختلاف ہے۔ اس سوال کو حل کرنے کیلئے تم اپنے ہی گھر میں نظر ڈالو۔ جتنے افراد ہوں گے ہر ایک کی پسند علیحدہ طبیعتیں مختلف اور طرز جدا ہوگا۔ کوئی جلد غضبناک ہوجاتا ہے۔ کوئی بہت ٹھنڈا ہے۔ کوئی متین ہے۔ کوئی باتونی۔ کوئی کسی بات کا بہت اثر لیتا ہے۔ کوئی بے حس۔ اسکو بھی جانے دو۔ ایک واقعہ تم پر بہت اثر کرتا ہے حالانکہ اسی واقعہ کا تمھاری سہیلی پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ وجہ یہی اختلاف طبع

پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبائع انسانی مختلف ہوتے ہیں۔ کسی میں کوئی جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی میں کوئی اور انہی جذبات کے تحت رجحانات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً جس کو تم رحمدل کہتی ہو اس میں جذبات غم اور محبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مغرور میں جذبہ غضب اور مسرت کا باتونی میں جذبہ مسرت اور محبت کی متین میں جذبہ الم کی۔ حاسد میں انانیت کی زیادتی ہوتی ہے ؂

اس حد تک معلوم کر لینے کے بعد تم آسانی سے اس
نتیجہ پر پہنچ سکتی ہو کہ جن میں جو بات ہوتی ہے ان میں
اسی قسم کے جذبات بھی نمایاں ہوتے ہیں اور یہ فطرت کا
عطیہ ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان میں ان جذبات
کی ترتیب کسطرح ہوتی ہے۔ ہمارے پچھلے مضمون کو ذہن
میں رکھو تو یہ سوال بڑی آسانی سے حل ہوسکیگا۔ ہم نے یہ بتایا
تھا کہ بچہ جب سن شعور کو پہنچتا ہے تو اپنے گرد و پیش سے
معلومات اکٹھی کرتا اور اپنے عزیز و اقارب کی نقلیں اتارا
کرتا ہے۔ گویا یہی وہ زمانہ ہے جس میں بچے کے قوائے ذہنی
و اخلاقی ترقی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور نامعلوم طور پر
روزانہ بہت کچھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اسی زمانہ میں
ان کی طبیعتوں کا حال بھی کھلتا ہے۔ ضد۔ چڑچڑاپن غصہ
سنجیدگی وغیرہ علامات آیندہ ان کے مزاج کا پتہ دیتی ہیں اور
یہی زمانہ ان کی تربیت کا ہے۔ سمجھدار والدین بچّے کی
چھوٹی سی چھوٹی حرکت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور

اسی رعایت سے تربیت بھی کرتے ہیں ؎

یہاں بہت ممکن ہے یہ مغالطہ ہو جائے کہ جو چیز عطیۂ فطرت ہے اس کو والدین کی تربیت کیونکر بدل سکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے وہ فطرت کی ان سب فیاضیوں سے گراں بار تو آتا ہے۔ لیکن یہ کیفیات بالکل سادہ ہوتی ہیں امتداد زمانہ اور گرد و پیش کے حوادث ان میں رنگ آمیزی کرتے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ سن شعور کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اسی رنگ میں فطرت نے جو جذبات عطا کئے ہیں اپنے عادات و اطوار کا دستورالعمل ترتیب دیتا ہے ؎

فطری جذبات کا بالکل دبا دینا یا بیکار کردینا تربیت کا کام نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔ بلکہ جس طرح قدرت کے ان بے شمار نقش و نگار کو جو ہمارے سامنے پوری بہار میں موجود ہیں ہم اپنے مذاق اور سلیقہ کی بناء پر بنا اور سجا لیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے نہ ایک ذرا کم ہوتا ہے اور نہ غائب ہوتا ہے۔ یعنی ایک وسیع میدان ہے جسمیں

طرح طرح کے پھول بھی ہیں اور خار بھی۔ افتادہ پڑا ہے۔ اب
اس عطیہ فطرت سے باغبان اس جگہ روشیں بنائے۔ ایک
خاص انداز سے کیاریاں سجائے اور ان کانٹوں کو مناسب
مقام پر پھولوں کی حفاظت کیلئے نصب کردے تو اس سے
عطیہ قدرت میں نہ تو کمی ہوتی ہے اور نہ نقص آتا ہے۔
بلکہ اس سے باغبان کا مذاق اور سلیقہ ظاہر ہوتا ہے۔ پس
بالکل اسی طرح ہم نوخیز طبیعتوں کی مختلف کیفیات کو اپنے
خاص انداز پر ترتیب دے سکتے ہیں اور پوری بہار پر نتیجہ
یقیناً بارآور ہوگا۔

اب اس کو بھی سمجھ لو کہ جذبات کی روکار کس طرح
بدل سکتی ہے۔ امراض جسمانی کے علاج میں طبیب انسانی
خلطوں ہی سے کام لیتا ہے۔ یعنی ایک خلطہ کے بگڑ جانے
سے تم بیمار ہوگئیں۔ حکیم جی جو نسخہ تجویز کرتے ہیں اس سے
دراصل اس کی مخالف خلطوں کو تحریک اور تقویت پہنچتی
ہے۔ اور یہ خلطیں اس بگڑی ہوئی خلطہ سے مقابلہ کرتی ہیں

جتنے دنوں مقابلہ رہتا ہے تم دوا پیتی رہتی ہو۔ حتیٰ کہ وہ زیر
ہوجاتی ہے اور تم اچھی ہوجاتی ہو۔ اسی طرح جذبات کی
ترتیب میں ایک لائق حکیم کی طرح کام کرنا چاہیئے۔ طبیب
کو پہچان کر تشخیص مرض کے بعد عمدہ نسخہ یقیناً مجرب ثابت
ہوسکتا ہے ٭

فرض کرو۔ ایک لڑکی میں غضب اور غصہ نمایاں ہے
غور کرو غضب اور غصہ کی ضد کیا ہے۔ الم۔ پس پرغضب
لڑکی کے جذبات الم کو تقریر سے مثالوں سے نصیحت سے
ابھارتے رہیں۔ اسی طرح غبی اور سست لڑکی کی قوت فکری
کو مردہ دل اور کم حوصلہ میں جذبہ انانیت کو مغرور کے
جذبات خوف کو ابھارتے رہیں وغیرہ ٭

اس ساری تفصیل سے گویا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آج
جن لوگوں میں ہم بری باتیں اور برے اخلاق دیکھتے
ہیں وہ دراصل ان کی کم عمری میں تربیت کی طرف سے
لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ اوران کا علاج اسیطرح ہوسکتا ہے

جو فطرت نے مقرر کر دیا ہے ؏

(۴)

جذبات انسانی کی تفصیل پر عبور پانے کے بعد اب یہ سمجھنا باقی رہ جاتا ہے کہ یہ کس طریقہ سے متاثر کیے جا سکتے ہیں۔ جس سے عمدہ اخلاق بلا واسطہ بھی عادتاً ظاہر ہونے لگیں اور اس کا جواب چونکہ نوخیز طبیعتوں کی ترتیب کا دستور العمل ہوگا اس لئے ہم کو بہت احتیاط سے سوچنا چاہئے ؏

انسان پہلے کائنات قدرت کا علم حاصل کرتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ متاثر ہونے کیلئے جذبات ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے کیلئے مدرکات۔ دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ چھونا اور سونگھنا یہ آلہ مدرکات ہیں پس جو علم انکے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہی جذبات کو تحریک دیتا ہے اب اس پر غور کرنا ہمارا کام ہے کہ کونسا علم بچّہ کو حاصل ہونا مفید ہوگا اور کونسا مضر۔ کس علم کے نتائج اچھے نکلیں گے اور کس کے بُرے اور جب اس کو سمجھ لیں گے تو پھر تربیت کچھ بھی مشکل

نہیں رہتی۔

ہم نے بعض ماں باپوں کو دیکھا ہے کہ بچوں سے بُری بُری باتیں کہواتے ہیں اور ان کی توتلی زبانوں سے سُن سُن کر ہنستے ہیں۔ لیکن جب بڑے ہوکر وہ وہی باتیں کرتے ہیں تو ان کی خبر لی جاتی ہے۔ اسی طرح جب بچے شرارت کرتے ہیں تو عجیب عجیب نام لے کر اُن کو ڈراتے ہیں۔ شور و غل ضد اور رونے پر کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی تھپڑ طمانچوں سے تواضع کرتے ہیں۔ کبھی بہلانے کو جھوٹ موٹ کسی میوے کے منگانے کا بہانہ کردیتے ہیں۔ کبھی چھیڑنے کو ان کی چڑھ نکالتے ہیں غرض یہ اور اُن جیسی چھوٹی چھوٹی باتیں۔ جو ہیں تو چھوٹی چھوٹی لیکن آئندہ زندگی میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اس لئے ابتدا ہی سے ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے کیونکہ پختگی کے بعد یہی رنگ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے ؀

ان عیوب کی تحلیل میں ہم نے بتایا تھا کہ جہالت

اور کوتاہ نظری سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ پس ہم کو علم کی قدر اور جہانتک ہوسکے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ علم کے حاصل کرنے کیلئے کوئی عمر نہیں ہے۔ جس عمر میں موقع ملے اچھی اور اخلاقی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے لیکن آوارہ خوانی بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ پہلے مطالعہ کا مقصد تجویز کرلینا چاہیئے۔ اس کے بعد کھوج لگاکر اسی مضمون پر جتنی زیادہ کتابیں دیکھی جائینگی اسیقدر دماغ یہ کارآمد بنتا جائے گا یوں عام معلومات کیلئے کسی مفید کتاب کا مطالعہ برا نہیں ؂

مطالعہ سے سب سے پہلا مقصد انسان کا اپنے آپ کو سمجھنا اور اپنے اخلاق درست کرنا ہے۔ کیونکہ بدخلق اور بدتمیز آدمی دوسری معلومات کتنی ہی رکھتا ہو دنیا اور سوسائٹی کیلئے بیکار ہے۔ اور اخلاق کے درست کرنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ پہلے اپنی برائیوں پر رواداری سے عبور حاصل کیا جائے۔ پھر سرگرمی سے اُن کے ترک

کرنے کی تدبیر کی جائے۔ پس اس مقصد کیلئے اخلاقی کتابیں ہمیشہ زیر مطالعہ رہنی چاہئیں۔ تاکہ خلق اور بد خلقی اچھائی اور برائی کا ہر ہر پہلو اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے جو نہ صرف اپنے ہی لئے اچھا اور موجب عزت ہوگا بلکہ تمھارے بعد تمھاری اولاد اپنے اچھے اوصاف اور تمھاری نسبت سے باوقعت نیکنام اور اوروں کیلئے قابل تقلید نمونہ ہوگی۔

سبق چہارم

نفسیات عورت

(۱)

جو زبان کہ مکمل اور مہذب ہوتی ہے اس کا ہر ہر لفظ اپنے معنی کی نزاکت اور وسعت میں اس زبان بولنے والی قوم کے حسیات کا پورا پورا مظہر ہوتا ہے یا بہ الفاظ دیگر ایک لفظ کی وسعت معنی ایک قوم کا معیار تہذیب ہے ایک جاہل اور وحشی قوم کے نزدیک عورت کا مفہوم سوائے اس موٹے اور بھدے تصور کے اور کچھ نہیں کہ عورت مرد کی خدمت کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن جوں جوں متمدن

حلقوں میں پڑ جاؤ۔ اس لفظ کے عجیب عجیب مفہوم
ظاہر ہوں گے۔ اس کی اصلی وجہ جیسا کہ ظاہر ہے تمدن
ہے۔ لیکن جب ایک جگہ کے اصول معاشرت کی تنقیح اور
دوسری جگہ سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو کچھ قدرتی
اسباب ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ علانیہ فرق تمیز کرنا پڑتا ہے
پس حقیقت پر بحث کرنے سے پہلے اس اختلاف کو
ذہن نشین کر لینا ضروری ہے ۔

دنیا کا نقشہ اپنے سامنے کھولو۔ خشکی کے ان ٹکڑوں
کو دیکھو جو پانی میں دکھلائے گئے ہیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے
جزیرے ہیں اور کچھ بڑے بڑے حصے اور ان ٹکڑوں کو
بھی دیکھو جو ماہرین جغرافیہ نے فرضی طور پر گرمی سردی
اور اعتدال دکھانے کیلئے قائم کئے ہیں۔ زمین کے بعض ٹکڑے
سردی کی لکیر پر ہیں بعض گرمی پر اور بعض اعتدال پر۔ اس
معائنہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر خطہ دوسرے خطے سے اپنے
قوانین قدرت کے لحاظ سے مختلف ہے۔ یعنی آب و ہوا۔

مناظر قدرت۔ اور جذبات فطرت میں ایک ملک دوسرے ملک سے علاحدہ فرق رکھتا ہے۔ اور اسی فرق کے تحت قد۔ قامت۔ رنگ و روغن اور جذبات مدون ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے ہر جگہ کا طرز تمدن اور معاشرت بھی مختلف ہوتا ہے مثلاً جزیرے اور سرد ملک کی رہنے والی عورتیں گوری چٹی خوبصورت۔ مضبوط۔ تندرست۔ اور بشاش ہوتی ہیں اسی لحاظ سے ان میں نڈرپن۔ مستقل مزاجی زیادہ ہوتی ہے۔ اور انہی جذبات کے تحت اُنکے اصول معاشرت اور قوانین ملکی نظم ہیں ؂

گرم اور ریگستانی ممالک کی عورتیں کالی۔ دبلی اور بھدی ہوتی ہیں ان کے جذبات بھی بھدے اور وحشیانہ طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لحاظ سے ان کے ہاں معاشرتی اور تمدنی اصول بھی منضبط ہیں ؂

معتدل ممالک کی عورتیں بین بین ہوتی ہیں اور وہاں کے قوانین بھی بین بین ہیں وغیرہ ؂

اسقدر عام بحث کرنے کے بعد اب ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ کائنات قدرت میں عورت کا کیا مرتبہ ہے۔ اُن دلائل
کے قطع نظر جو ہر فریق اپنی برتری کے ثبوت میں پیش کرتا
ہے اس حقیقت کو مان لینا چاہیئے کہ کائنات قدرت میں
عورت کا نمبر دوسرا ہے۔ نہ صرف جسمانی ساخت میں بلکہ
ہر لحاظ سے عورت مرد سے کمتر ہے۔ اس تقسیم سے
فطرت کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں عورت مرد کی
مددگار رہے اور چونکہ عورت فطرۃً کمزور بھی ہے اس لئے
مرد اس کا محافظ بھی ہو اور اسی فطری تقسیم کی بناء پر
قوانین تمدن اور معاشرت میں تقسیم ملحوظ رکھی گئی ہے
کہ جو کام نسبتاً آسان اور لطیف ہوں وہ عورت انجام
دے۔ اور جو سخت و مشکل ہوں وہ مرد اور اسی توازن
پر آج تک دنیا کا تمدن قائم ہے اب اس تقسیم فرائض
سے ایک کی دوسرے پر برتری ناجائز ہوگی اس لئے
کہ قدرت نے جس کو جس طرح پیدا کیا اسیطرح کے

کام بھی اس کے سپرد کیئے۔ اور کائنات کا ہر فرد اپنا اپنا کام انجام دے جاتا ہے۔ البتہ اس تقسیم سے فطری فرق زیادہ نمایاں ہوجاتا ہے۔ اور یہی برتری کافی ہے ؛

لیکن تقسیم فرائض کا مسئلہ حقوق نسوان کی صورت میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ جس پر اکثر بحث رہتی ہے فرائض و حقوق نسوان کے متعلق ان احکامات کو ایک جگہ جمع کرلو جو خالص مذہبی ہیں تو یقیناً ایک اچھا دستورالعمل تیار ہوسکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بعض معاشرتی قوانین مذہبی عینک سے دیکھے جاتے ہیں اور تصفیہ نہیں ہوسکتا ایسے احکامات جن کا ماننا انسان کیلئے ناگزیر ہے اور جن پر قوانین تمدن کا اثر نہیں پڑسکتا بلکہ انہی سے ایک قوم کا تمدن اور معاشرت بھی عبارت ہے۔ مذہبی احکام ہیں لیکن ایسی روایات کا جو یا تو موقتی تھیں یا ان کا اثر اسی خطۂ ملک تک منتہی تھا جہاں کیلئے وہ کہی گئی تھیں یہ امتیاز نہیں رکھتیں کہ انھیں مذہبی احکام میں جگہ دی جاوے اور اسطرح

کی روایات کی خلط ملط ہے جو یہ مسئلہ پیچیدہ ہوگیا ہے ۔

غرض تقسیم فرائض و حقوق کے خالص مذہبی احکام وہی ہیں جن کا ماننا ایک مسلمان کا ایمان ہے۔ باقی اصل پر زائد ہیں۔ اس کے علاوہ جن حقوق کا مطالبہ ارتقاء تمدّن کے ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ساری کی ساری قوانین ملکی اور مصالح سیاسی پر ہے۔ اُنکو مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم کو ان کے جواز اور عدم جواز پر مذہب سے سند لینی چاہیئے۔

(۲)

دوسرے ممالک کے رسم و رواج اور وہاں کے اصول معاشرت کی تنقیح غالباً ہم ہندیوں کیلئے بے سود ہے۔ البتہ بعض ایسے قوانین جن کے متعلق یہاں عام طور پر یہ خیال ہے کہ یہ قابل تقلید ہیں اس کی مطابقت یہاں کے رسم و رواج اور قوانین تمدن سے کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ غیر ممالک کے گل بوٹے ہندوستان

کی آب و ہوا میں پھل پھول بھی سکتے ہیں یا نہیں ؟

تعلیم کی تکمیل کیلئے ہندوستان کے نوجوان غیر ممالک اور خصوصاً یورپ جاتے ہیں تو بلحاظ اس کے کہ وہاں ظاہری ٹیپ ٹاپ خوب ہوتی ہے۔ نوجوان آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور چونکہ ابتدائی جماعتوں سے وہیں کا لٹریچر پڑھتے رہتے ہیں اس لحاظ سے بھی ان مناظر میں ایک قسم کی دلکشی محسوس کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان قوانین سے رغبت ہو جاتی ہے اور جب اپنے گھر واپس آتے ہیں تو وہاں کے قوانین یہاں بھی جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام انھوں نے قومی اصلاح رکھا ہے۔ قابل ستائش ہے۔ اگر حقیقی معنوں میں اصلاح ہوتی رہے۔ لیکن مشکل یہ ہے جیسے ہمارے ٹھیٹ مذہبی آدمی مذہب میں غلو کر کے ہم کو مادی ترقی سے روکتے ہیں اسی طرح یہ تازہ وارد حضرات غلو کرتے ہیں اور مادی ترقی سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ چاہتے ہیں کہ اخلاق میں بھی مشرق مغرب کی تقلید کرتا رہے۔

فرقہ بنجاتے ہیں اور طرح طرح کے خیالات ملک میں چکّر لگاتے رہتے ہیں اور ملک کو بجائے فائدہ کے نقصان رہتا ہے ؁

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں ابتدائے تمدن سے مختلف قومیں مختلف معیار تمدن سے مقیم رہیں اور ابتک بھی یہی رنگ قائم ہے۔ آنے والی قوموں نے معاشرتی سہولتوں کو مدّنظر رکھکر اپنے اور یہاں کے قوانین میں مناسبت پیدا کرلی ہے اور اس مناسبت کے پیدا کرنے میں ان کو اپنے بہت سے اصولوں سے دست بردار ہونا پڑا ہے اور سوائے اس کے وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قومی قانون ملکی کے تحت آگیا ہے ؁

اس کے علاوہ ہندوستان میں نسلّی۔ قومّی اور مذہبی اختلاف ایسا زبردست ہے کہ وہ معاشرتی رعایتوں سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف خیالات

اور جذبات کے لوگ یہاں بستے ہیں. لیکن اُن کے خیالات
بھی قدیم رسم و رواج سے جکڑے ہوئے ہیں اور مجبور ہیں کیونکہ
ایک لحاظ سے جن رعایتوں کو وہ اپنے لئے مفید خیال
کرتے ہیں۔ اختلاف مذہب کے باعث ان رعایتوں سے
متمتع نہیں ہو سکتے. بلکہ نقصان کا احساس کرتے ہیں۔ اور
چونکہ قومی اور مذہبی اختلاف ہندوستان سے دور نہیں
ہوسکتا اس لئے اس کی بھی امید نہیں کہ کسی قوم کو اپنے
معیار خیال میں کامیابی ہوسکے ؂

آج کل بڑی شدت سے مسلم خواتین میں یہ خیال
پھیل رہا ہے کہ ہم کو اور ممالک کی طرح ہر کام میں
آزادی ملنی چاہیئے اور بطور تمہید تعلیم کی آزادی اور قدیم
رسم و رواج کی قطع بُرید عمل میں آرہی ہے۔ اس حد تک
برا نہیں ہے لیکن تعلیم یافتہ طبقہ اس خبط میں مبتلا ہو رہا ہے
کہ ممالک مغرب کی طرح یہاں بھی کچھ سامان دلچسپی فراہم
کیا جائے جس سے مسلم خواتین کو تفریح حاصل ہوتی رہے

اور ملک میں مردوں کے دوش بدوش ہر کام میں حصہ لینے
کے قابل بنیں ۔

تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فرائض انسانی سے قطع نظر
کرکے محض انفرادی دلچسپیوں میں زیادتی کرتے رہیں دوسرے
اگر غور کرو تو ہندوستان میں یہ خیال قبل از وقت ہے یہ
باتیں تو فرصت اور بے فکری کی ہیں جب ہم کو یہ بات
حاصل ہوجائے گی اُسوقت اچھی معلوم ہوں گی۔ ہماری
شریک زندگی ایک ایسی قوم ہے جو رسم و رواج۔ مذہب
اور خیالات میں بالکل مختلف اور اس پر طُرّہ یہ کہ ایک اور
قوم ہم پر حکمراں ہے جس کا طرز معاشرت ہم دونوں سے
مختلف ہے۔ اس اختلاف در اختلاف نے قومیت ہند کا
مطلع بالکل غبار آلود کردیا ہے۔ اب غور کرو۔ حالت تو
غلامی کی لیکن نظائر جو آزاد حکمراں ممالک کے لئے جاتے
ہیں وہ کس حدتک مفید ہوسکتے ہیں اور غلامی جو ہم کو
نصیب ہوئی ہے وہ ہماری قلت علم کی بدولت ہے اب

اگر ہم علم حاصل کرکے بجائے اپنی کمزوریوں کو رفع کرنے کے اپنی دلچسپیوں کا خیال کرتے رہیں تو یہ کس حد تک معیوب اور نکمّا خیال ہوگا۔ ہمارے نکبت اور افلاس کا تو یہ عالم ہے کہ ہمارے پچاس فیصدی بھائی فاقوں مر رہے ہیں اور جو نسبتاً اچھی حالت میں ہیں وہ فیشن وغیرہ کی لغویت میں مبتلا ہیں۔ تو بتاؤ اس سے ملک اور قوم کو کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ اور کس طرح قومی اور ملکی وقار قائم رہ سکتا ہے۔ سچی عزّت اور خودداری جب ہی ثابت ہوسکتی ہے جب کوئی قوم اپنے بل بوتے پر صفحہ دنیا پر نمایاں ہو۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ایک سوئی تک ہم اپنے ملک میں نہیں بنا سکتے فرض کرو ممالک غیر جن سے ہم کو ضروریات زندگی میسر آتی ہے اپنے مصنوعات ہندوستان بھیجنا بند کردے تو قیاس کیا چاہتا ہے یقیناً ہماری حالت ایک ہزار برس پیچھے جا پڑے گی۔ تو کہنا یہ ہے کہ مصائب کی گھٹا تو مارکٹ ریٹ کی صورت میں ہر وقت برس رہی ہے غلامی کی زنجیریں

روز بروز مضبوط ہو رہی ہیں۔ قومی اخلاق جس کو تم اپنا کہہ سکتی ہو اگر وہ بھی دوسروں کی تقلید میں کھو بیٹھیں تو بتاؤ تم میں ایسا کیا وصف باقی رہ جاتا ہے جس سے تم اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکو؟

یہ باتیں تمھیں اس لئے سنانی ضرور ہیں کہ آیندہ قوم کی روشن خیالی تمہی پر منحصر ہے اس کی ترقی تمھاری عقلمندی پر منحصر ہے اس میں خودداری تمھارے ہی خون سے رواں ہوگی۔ اس کا تموّل تمھاری ہی گود ہے اب سوچو تو سہی تمھارے فرائض تو اسقدر اہم کہ ساری قوم کی بلا تمھاری گردن پر رہتی ہے اور تم یہ چاہتی ہو کہ وقت جو کسی مفید کام اور فلاح میں صرف کئے جانے کے قابل ہے۔ لہو و لعب اور جھوٹی طمطراق میں صرف کردو اور ایک ایسی نظیر قائم کرو کہ تعلیم جو ساری بیماریوں کا علاج ہے ایک مصیبت ہو جائے؟

تعلیم نسواں کی مخالفت کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے

بلکہ اب تک بعض پرانے دماغ اس کی مخالفت کر رہے ہیں
ایسی حالت میں ان کے مضحکہ اڑانے کو اچھی مثال ہاتھ
آئے گی۔ تم کو تعلیم حاصل کرکے اپنے بچوں کی استانی بنناہے
نہ کہ سوسائٹی میں مقرر۔ تمھیں اپنے گھر کا اہتمام و انتظام
کرنا ہے۔ نہ کہ محکمات سرکاری کی اہلکاری۔ تعلیم نسوان کی
اس لئے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہمارے قومی خصائص
اور اخلاق جن کے انحطاط سے ہم اس حالت کو پہنچ
گئے ہیں درست ہوجائیں۔ اور ہم پرانی شان پھر حاصل
کرلیں۔ نہ اس لئے کہ دوسری قوموں کی نقالی کرکے اپنے
آپ کو اور پست کردیں۔ ہمیں اپنے ہی قدیم قوانین
کی ترمیم و تنسیخ سے اپنا ایک وجود قائم کرنا ہے نہ کہ
دوسری قوموں میں مدغم ہوجانا۔ ملکی لباس کی اصلاح
گون۔ مسی کی اصلاح گلیسرین غازے کی جگہ کریم۔ اور
روزپوڈر۔ پھولدار جوتی کے عوض اونچی ایڑی کا شوز۔
مولود شریف کی مجلسوں کے بجائے کلب کی سوسائٹی

تخت اور فرش کے بجائے کوتیج اور کرسی وغیرہ وغیرہ
تم خود ہی غور کرو کیا ان کا نام اصلاح ہے؟ بھلا بتاؤ تو
پچھلی باتوں میں اور ان نئی اصلاحوں میں کتنی ہندوستانی
مشابہت ہے۔ اس کا نام اصلاح نہیں ہے تقلید ہے
اور یہی فرق اصلاح اور تقلید میں ہے۔ ایک جسقدر اچھا
اور مبارک خیال ہے دوسرا اُسیقدر قومی خود داری
اور غیرت کے خلاف ہے۔ اور چونکہ ہم اصلاح کے مدعی
ہیں نہ کہ تقلید کے اس لئے ہمارے اعمال کو ہماری زبان
کی تائید کرنی چاہئے ؛

(۳)

ہم نے تقلید کی طرف جو قدم بڑہایا ہے اس کی
اصلی وجہ یہ ہے کہ ہمیں دنیا کا کافی علم حاصل نہیں
شد بد کا تو علم رکھتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ ان لوگوں
کا سا اعزاز حاصل ہو جو صدیوں سے لگاتار محنت کر رہے
ہیں۔ ہماری مثال اس بھولے لڑکے کی سی ہے جو اپنی

جماعت سے ایک درجہ ترقی پانے پر اپنی بڑی ترقی تصور کرتا ہے۔ اور بچپن کی تمکنت دکھاتا پھرتا ہے۔ مقابلہ اچھی چیز ہے۔ لیکن اسوقت جب ہم بھی کسی قابل ہوجائیں۔ پچھلی ساری بحث کو دماغ میں رکھو تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں کو بجائے اس کے کہ مزید حقوق کا مطالبہ کریں ابھی اپنے فرائض کا جاننا باقی ہے۔ انتظام خانہ داری۔ تعلیم و تربیت اطفال۔ حقوق و فرائض زوجیت قومی اخلاق و آداب کی پاسداری وغیرہ۔ اسوقت فی صدی نوے گھر ایسے ہیں جنکی اصلاح ہر لحاظ سے ہونی ضروری ہے پس جب اکثریت عدم واقفیت فرائض کی وجہ سے تنزل پذیر ہے اُس پر یہ تقلید کی ہوا ظاہر ہے کہ ہم کو کہیں کا نہ رکھیگی ؂

اکثر اسطرح کے قصّے اخبار اور رسائل میں دیکھے جاتے ہیں کہ میاں سفر یورپ سے واپس آئے ہیں مغربی طرز کے دلدادہ ہیں ہندوستان میں شادی کی لیکن اختلاف مذاق کی بناء پر میاں بیوی میں نہیں بنتی روز لڑائی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ میاں جلسۂ احباب میں اپنا سامان دلچسپی فراہم کرلیتے

ہیں اور بیوی گھر کے دیواروں سے سر ٹکرا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی ہے۔ کبھی کبھار دسترخوان پر ملکر بیٹھتے بھی ہیں تو ایسے جیسے دو دشمن ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہیں اسطرح کی باتوں کا بار مردوں پر ڈالا جاتا ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں کیونکہ لڑکے اعلیٰ تعلیم کیلئے یورپ جانے سے قبل اپنے ہی گھر میں تربیت پاتے ہیں اور یورپ بھی اُسوقت جاتے ہیں جب اُنکی سمجھ پختہ ہوجاتی ہے اب دو چار سال باہر رہنے کی وجہ سے اگر قومی آداب اور اخلاق بھول جائیں تو یہ نقص اس تربیت کا ہے جو اُنکو بچپن میں ملی تھی اور اسکا سارا بار لڑکے کی ماں پر پڑتا ہے جس نے اپنے فرائض سے پہلوتہی کی۔

(۴)

مغربی تعلیم کی جہاں اور برکتیں ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں کے خواتین اولاد کو ایک مصیبت خیال کرنے لگی ہیں اُنکا تخیل ایک ایسا سبز باغ ہے جس میں صدا بہار مسرّت کے پھول کھلے ہوتے ہیں اور جسکی وہ یک و تنہا

گلچینی کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن اس حقیقت پر غور نہیں کرتیں کہ جسکو
وہ مسرت کا نام دیتی ہیں وہی دراصل مصیبت ہے۔ انسانی فطرت
کے بہاؤ پر غور کرو جو صدیوں سے ایک ہی سمت بہہ رہا ہے
اور قانون قدرت کی پڑتال کرو جس پر انسان کی خلقت ہوئی
ہے۔ کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کریگا کہ ارتقائے تمدّن
کی اصل جذبۂ ایثار کی کارفرمائی نہیں ہے؟ پس جب یہی
انسانی فطرت اور منشاء خداوندی ہے تو دنیا کی ترقی میں
اس شخص کا کیا حصہ ہو سکتا ہے جو اس کا مخالف ہے اور
کیا قانون قدرت سے روگردانی اصل معصیت نہیں؟

افسوس یہ ہے کہ ہم نے مغربی لٹریچر سے ترقی اور
آزادی کے الفاظ چن لئے لیکن فلسفۂ مشرق پر ان الفاظ کی
حقیقت کو جانچنا گوارا نہیں کیا اور نہ اس بات کا خیال کیا
کہ وہ مغرب جسکی تقلید میں آج ہم اندھے ہوئے جا رہے ہیں
ان الفاظ کے اسدرجہ ترقی یافتہ معنوں کیلئے کل تک کن کن
آزمائشوں میں مبتلا رہا اور کیسا زبردست ایثار کرتا رہا ہے

پھر کیا ہندوستان اس کٹھن منزل سے گذر چکا ہے؟ اور اگر
اس نے ہنوز اس منزل میں قدم بھی نہیں رکھا تو پھر ان
الفاظ کی تقلیداً وہی معنی کرنا کیا وزن اور قیمت رکھتا ہے؟

اس مضمون میں میرا خطاب ان بہنوں سے ہے جو
پڑھ لکھکر اس خبط میں مبتلا ہو گئی ہیں کہ معراج ترقی محض
مغربی تقلید میں ہے۔ تعلیم کا ہرگز بھی یہ منشا نہیں رہا ہے کہ
دوسروں کی تقلید کمال کی انتہا ہو جائے اپنی حالت کو سمجھنا
اور حسب ضرورت اس میں ترمیم کرتے رہنا تعلیم کی اصلی
غرض ہے۔

اوپر کی مختصر بحث کو وہ دماغ میں رکھیں گی اور رواداری
سے غور کریں گی تو خود انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہندوستان جیسے
ملک میں اپنی قوم کو نمایاں کرنے کی ایک اور محض ایک
تدبیر ہے اور وہ قومی اخلاق کی مضبوطی اور اپنی اولاد کی
تعلیم و تربیت ہے۔ جس قوم کے اخلاق درست نہوں وہ دنیا
میں اپنا کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اور یہ عزیز بہنوں تمہارے

ہاتھ میں تم نے اگر پڑھ لکھ کر بھی اپنی قومی غیرت اور خودداری کا مطالعہ نہیں کیا۔ اور اپنے مذہبی فلسفۂ اخلاق کو سمجھ نہ سکیں۔ تو گویا تم نے ایسی تعلیم حاصل کی جو قوم کو پامال کرنے کا ایک ذریعہ بن جائے اور یہ تم پر بڑا زبردست الزام ہے اور اس سے برات محض اس صورت سے ممکن ہے کہ تمہارے گودوں کے کھیلے ہوئے افراد تمہاری صفائی کے گواہ بن جائیں۔ کاش تمہاری کوششوں سے اس قوم کو یہ بات نصیب ہو سکے کہ عورت کے صفات کی تشریح محض مسلمان "عورت" کہنے سے پوری ہوجائے اور تمہارا طرز عمل اور قوموں کیلئے قابل تقلید بن جائے!!

تمام شد